سیف اللہ خالد

اب استعفیٰ کون دے گا؟

کسے علم تھا کہ چیف جسٹس آف پاکستان کو عہدے سے ہٹانے کا یہ عمل عدلیہ کی کامل آزادی کا نقطہ آغاز بن جائے گا۔ سچ ہے کہ وہ خیر کو شر میں سے بھی پیدا کر دیا کرتا ہے اور پاکستان کے مقدر میں یہ خیر اسی طریقے سے لکھی تھی۔ ورنہ چیف جسٹس کو نہ چھیڑا جاتا تو نا معلوم کب تک نظریہ ضرورت کی زنجیریں اس باوقار ادارے کو جکڑے رکھتیں۔ نا معلوم کب تک قوم اس خوشخبری سے محروم رہتی۔

۹/مارچ کی دوپہر تک بھی کوئی نہ جانتا تھا کہ عدلیہ کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے۔ چینی کہاوت ہے کہ ہر بحران مواقع پیدا کرتا ہے۔ یقیناً ۹/مارچ کو پیدا ہونے والے بحران نے بھی مواقع پیدا کیے اور بلاشبہ سپریم کورٹ کے معزز ججوں نے ان مواقع کو ضائع نہیں جانے دیا اور نصف صدی سے عدلیہ کے گرد لپٹی نظریہ ضرورت کی زنگ آلود زنجیریں توڑ ڈالیں۔ ایک سوال بہت اہم ہے کہ آخر اس سے پہلے بھی حکمران ججوں کو اسی طرح گھر بھیجتے رہے ہیں۔ چیف جسٹس حضرات کو بھی یک بیں و دو گوش گھر کی راہ دکھائی گئی مگر کوئی کرشمہ نہیں ہوا۔ ایسا نہیں کہ جسٹس افتخار واحد مردِ انکار تھے۔ اس سے قبل جسٹس صدیقی، ضیاء دور میں جسٹس یعقوب علی خان اور مزید کئی قابل احترام جج بھی یہی راہ اختیار کر چکے ہیں مگر فرق صرف یہ رہا کہ انھوں نے انکار کیا، عہدہ چھوڑا اور گھر جا بیٹھے۔ جسٹس افتخار نے دوسری راہ اختیار کی۔ انکار کیا، عہدہ نہیں چھوڑا اور ڈٹ گئے۔ نتیجہ یہ کہ قوم ان کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ ان کے حق میں نعرے لگانے، مار کھانے والوں سے بھی اگر پوچھا جائے تو ان میں سے ۹۰ فیصد یہ جانتے تک نہیں کہ ان پر الزامات کیا تھے۔ اگر جانتے ہیں تو یہ علم نہیں رکھتے کہ ان کی حیثیت کیا تھی۔ سب کی ایک ہی رائے تھی۔ الزامات سچ بھی ہوں تو بھی زیادتی اور ظلم کے خلاف اٹھنے والے شخص کا ساتھ دینا چاہیے اور پھر پوری دنیا نے دیکھا کہ پاکستان کی تاریخ میں اتنا کسی کو پروٹوکول اور عزت نہیں ملی جتنی چیف جسٹس کے حصے میں آئی۔ یہ قوم کی بیداری تھی جس نے سپریم کورٹ کے جج حضرات کو راہ سجھائی اور حوصلہ دیا کہ وہ بھی ڈٹ جائیں اور نصف صدی سے بار بار لگایا جانے الزام دھو ڈالیں۔ اس سارے قصور کو اگر ایک طائرانہ نگاہ سے دیکھا جائے تو جسٹس رمدے کا کردار بہت اہم رہا۔ انھوں نے انتہائی مہارت کے ساتھ مقدمے کو آگے بڑھایا اور حکومتی وکلاء خصوصاً مسٹر قصوری کی طرف سے بار بار عدالت میں دنگا فساد کی کوشش کو ناکام بنا ڈالا اور ان کے ہلکے پھلکے چٹکلے نہ ہوتے تو نا معلوم کورٹ روم کی کیفیت کیا ہوتی۔ اس مقدمے نے جہاں اور بہت کچھ واضح کیا ہے۔ وہیں آئین کے جادوگروں کو بھی یوں بے نقاب کر دیا ہے جیسے تیز بارش کے بعد لاہور اور کراچی کی سڑکیں بے نقاب ہو کر معماروں کا منہ چڑاتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ خود کو جادوگر کہنے والے ایک کھری عدالت میں گنگ ہو کر رہ گئے اور ان کے

پاس اپنے مقدمے کے دفاع میں کہنے کو کچھ نہ تھا۔

آج اگر وزیر قانون کہتا ہے کہ حکومت نے دباؤ نہیں ڈالا تو غلط کہتا ہے۔ دو معزز جج حضرات کے ساتھ حکومتی وکیل کے ڈنر کی خبریں آؤٹ کرنا، ٹی وی چینلوں پر وزراء خصوصاً وزیر ''قنون'' اور دیگر کا ریفرنس پر الزام تراشی کرنا، عدالت میں مولوی اقبال حیدر کی خرافات، عدلیہ کے حوالے سے قابل اعتراض مواد کو سامنے لانا، یہ سب کیا تھا۔ دباؤ اور کسے کہتے ہیں۔ گن پوائنٹ پر لینا ہی دباؤ نہیں ہوتا۔ دباؤ کا ہر حربہ استعمال ہوا۔ قوم نے کھلی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس کیا۔ مگر یہ جرأت عدلیہ کی ہے کہ اس نے کسی دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پوری آزادی کے ساتھ فیصلہ سنایا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کو وکلاء کے دباؤ کا نتیجہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اگر ایسا ہوتا تو بنچ میں شامل جسٹس بٹر کا اختلافی نوٹ نہ لکھ پاتے جن کے بارے میں حکومت کا دعویٰ ہے کہ ان کی بہن چیف جسٹس کی تحریک میں شامل ہے۔ جسٹس بٹر کبھی اختلاف بتاتا ہے کہ ان کا فیصلہ بھی کسی دباؤ سے آزاد ہے اور ان کے ساتھیوں نے بھی آزادی سے فیصلہ کیا اور عدلیہ کے ماتھے پر لگا نظریہ ضرورت کا داغ دھو ڈالا۔

اب کہا جا سکتا ہے کہ عدلیہ آزاد ہے اور اسے عوام کی مکمل تائید حاصل ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا اچھوتا واقعہ ہے کہ پاکستان کا چیف جسٹس کسی منتخب سیاست دان سے بھی زیادہ وسیع عوامی حمایت رکھتا ہے۔ اس سے عوام کو یہ توقع پیدا ہونا لازمی امر ہے کہ اب آئین کی زنجیریں بھی کھلیں گی اور دیگر اداروں کو بھی آزادی نصیب ہوگی۔ اب عدلیہ پوری آزادی کے ساتھ ملک کے استحکام اور دفاع کا فریضہ سرانجام دے گی اور عوام کو حقیقی معنوں میں آزادی کا احساس ہوگا۔ لیکن دوسری طرف چیف جسٹس پر بھی بھاری بوجھ آن پڑا ہے کہ ایک طرف ان پر قوم کو آزادی دلوانے اور آئین کو مکمل بحال کرنے کی ذمہ داری ہے تو دوسری طرف انصاف اور ہر حال میں غیر جانبدار رہ کر فیصلے کرنے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔ اب ان کو یہ خیال بھی رکھنا ہوگا کہ کسی فیصلے پر ذاتی رنجش کا گمان نہ ہو۔ بہر حال تمام جزئیات کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ عدلیہ اور پاکستان کی آزادی کا دن ہے اور توقع کی جانی چاہیے کہ حکومت اور عدلیہ اس مخاصمت کو بھول کر آگے بڑھیں گے۔

ایک اہم سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ وکلاء نے یک جان ہو کر ایک جنگ لڑی اور جیت لی۔ کیا ہمارے سیاست دان بھی ایسا کر سکتے ہیں؟ کیا انھیں سب نہیں سیکھنا چاہیے۔ مگر شاید ان کے مفادات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ متحد ہو کر قوم کو قیادت فراہم نہیں کر سکتے۔ کاش کہ وہ سبق سیکھیں اور اپنے نفس اور انا سے آزادی حاصل کر لیں۔

ایک بات اور بھی اہم ہے کہ سپریم کورٹ نے ریفرنس کو بدنیتی پر مبنی قرار دیا ہے۔ اس پر ایوانِ اقتدار سے کسی کو تو ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے استعفیٰ دے دینا چاہیے۔ کم از کم وزیر ''قنون'' یا سیکرٹری قانون کو۔

دوسرے یہ کہ ۹/ مارچ کے اس بحران کے حوالے سے بہت سی باتیں کہی جا رہی تھیں۔ صدر محترم کا بھی قوم سے ایک وعدہ ہے جو پورا ہونا چاہیے۔ انھوں نے گوجرانوالہ میں اپنے خطاب کے دوران کہا تھا: ''میرا منہ بند ہے فیصلے آئے گا تو بہت کچھ بتاؤں گا۔'' اب فیصلہ آ چکا انھیں حقائق سے پردہ ضرور اٹھانا چاہیے قوم منتظر ہے۔